

## حضرت مسیح موعودؑ کی احباب جماعت کو پند و نصائح

(ملفوظات جلد 7 ایڈیشن 1984ء)

(تقریر نمبر 10)

اللہ تعالیٰ قرآن شریف میں فرماتا ہے۔

وَإِذَا سَأَلَكَ عِبَادٍ عَنِّيْقَانِيْقَرِيْبٍ أُجِيْبُ دُعَوَةَ الدَّاعِ اذَا دَعَانِ (البقرہ: 187)

جب میرابنہ میری بابت سوال کرے۔ پس میں بہت ہی قریب ہوں۔ میں پکارنے والے کی دعا کو قبول کرتا ہوں جب وہ پکارتا ہے بعض لوگ اس کی ذات پر شک کرتے ہیں۔ پس میری ہستی کا نشان یہ ہے کہ تم مجھے پکارو اور مجھ سے مانگو۔ میں تمہیں پکاروں گا اور جواب دوں گا اور تمہیں یاد کروں گا۔ اگر یہ کہو کہ ہم پکارتے ہیں پر وہ جواب نہیں دیتا۔

کام کیا عزت سے ہم کو شہرتوں سے کیا غرض  
گروہ ڈلت سے ہو راضی اس پہ سو عزت نثار  
ہم اُسی کے ہو گئے ہیں جو ہمارا ہو گیا  
چھوڑ کر دنیاۓ دوں کو ہم نے پایا وہ نگار

معزز سامعین! گزشتہ کچھ عرصہ سے ”مشاهدات“ کے پلیٹ فارم سے حضرت مسیح موعودؑ کے ارشادات پر مشتمل ملفوظات سے نصائح پیش کی جا رہی ہیں۔ آج سے جلد 7 سے آپ کی پند و نصائح پیش کرنے کا آغاز ہو رہا ہے۔ یہ جلد 7 کی تقریر نمبر 10 ہو گی۔ اللہ تعالیٰ ہمیں ان نصائح پر عمل کرنے کی توفیق دے۔ آمین  
اپنی زبان میں دعا کرو  
فرمایا:

”نمازوں میں دعائیں اور درودیں۔ یہ عربی زبان میں ہیں۔ مگر تم پر حرام نہیں کہ نمازوں میں اپنی زبان میں بھی دعائیں مانگا کرو۔ ورنہ ترقی نہ ہو گی۔ خدا تعالیٰ کا حکم ہے کہ نمازوہ ہے جس میں تضرع اور حضور قلب ہو۔ ایسے ہی لوگوں کے گناہ دُور ہوتے ہیں چنانچہ فرمایا ان الحسنتٰ يُذْهِبُنَ السَّيِّئَاتِ۔ (ہود: 115) یعنی نیکیاں بدیوں کو دور کرتی ہیں۔ یہاں حنات کے معنے نماز کے ہیں اور حضور اور تضرع اپنی زبان میں مانگنے سے حاصل ہوتا ہے۔ پس کبھی کبھی ضرور اپنی زبان میں دعا کیا کرو اور بہترین دعا فتح ہے کیونکہ وہ جامع دعا ہے۔ جب زمیندار کو زمینداری کا ذہب آجائے گا تو وہ زمینداری کے صراط مستقیم پر پہنچ جاوے گا اور کامیاب ہو جاوے گا۔ اسی طرح تم خدا تعالیٰ کے ملنے کی صراط مستقیم تلاش کرو اور دعا کرو کیا الہی! میں تیر اگنہگار بندہ ہوں اور افتاب ہوں۔ میری راہنمائی کر ادنی اور اعلیٰ سب حاجتیں بغیر شرم کے خدا سے مانگو کہ اصل معطی وہی ہے۔ بہت نیک وہی ہے جو بہت دعا کرتا ہے کیونکہ اگر کسی بخیل کے دروازہ پر سوائی ہر روز جا کر سوال کرے گا تو آخر ایک دن اس کو بھی شرم آجائے گی۔ پھر خدا تعالیٰ سے مانگنے والا جو بے مثل کریم ہے کیوں نہ پائے؟ پس مانگنے والا کبھی نہ کبھی ضرور پالیتا ہے۔ نمازو کا دوسرا نام دعا بھی ہے۔ جیسے فرمایا۔ اذْعُونَنَا  
آسْتَجِبْ لِكُمْ۔ پھر فرمایا۔ وَإِذَا سَأَلَكَ عِبَادٍ عَنِّيْقَانِيْقَرِيْبٍ أُجِيْبُ دُعَوَةَ الدَّاعِ اذَا دَعَانِ (البقرہ: 187) جب میرابنہ میری بابت سوال کرے۔ پس میں بہت ہی قریب ہوں۔ میں پکارنے والے کی دعا کو قبول کرتا ہوں جب وہ پکارتا ہے بعض لوگ اس کی ذات پر شک کرتے ہیں۔ پس میری ہستی کا نشان یہ ہے کہ تم مجھے پکارو اور

مجھ سے مانگو۔ میں تمہیں پکاروں گا اور جواب دوں گا اور تمہیں یاد کروں گا۔ اگر یہ کہو کہ ہم پکارتے ہیں پر وہ جواب نہیں دیتا تو دیکھو کہ تم ایک جگہ کھڑے ہو کر ایک ایسے شخص کو جو تم سے بہت ذور ہے پکارتے ہو اور تمہارے اپنے کانوں میں کچھ نقص ہے وہ شخص تو تمہاری آواز نسلکر کو تم کو جواب دے گا مگر جب وہ ذور سے جواب دے گا تو تم بیاں کرے گے۔ پس جوں جوں تمہارے درمیانی پر دے اور جاب اور ذوری ذور ہوتی جائے گی تو تم ضرور آواز کو سُنُو گے۔ جب سے دنیا کی پیدائش ہوئی ہے اس بات کا ثبوت چلا آتا ہے کہ وہ اپنے خاص بندوں سے ہمکلام ہوتا ہے۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو فتنہ بالکل یہ بات ناٹو د ہو جاتی کہ اس کی ہستی ہے بھی۔ پس خدا تعالیٰ کی ہستی کے ثبوت کا سب سے زبردست ذریعہ یہی ہے کہ ہم اُس کی آواز کو ٹھنڈی لیں یا دیدار یا گفتار۔ پس آج کل کا گفتار قاسم قام ہے دیدار کا۔ ہاں جب تک خدا کے اور اس سائل کے درمیان کوئی جواب ہے اس وقت تک ہم ٹھنڈیں سکتے۔ جب درمیانی پر دہ اٹھ جاوے گا تو اُس کی آواز سنائی دے گی۔

(ملفوظات جلد 7 صفحہ 226-227)

نماز اور ذعا

فرمایا:

”نماز اصل میں دعا ہے۔ نماز کا ایک ایک لفظ جو بولتا ہے وہ نشانہ دعا کا ہوتا ہے۔ اگر نماز میں دل نہ لگے تو پھر عذاب کے لئے تیار ہے کیونکہ جو شخص دعا نہیں کرتا وہ سوائے اس کے کہ ہلاکت کے نزدیک خود جاتا ہے اور کیا ہے۔ ایک حاکم ہے جو بار بار اس امر کی ندا کرتا ہے کہ میں دکھیاروں کا ذکر اٹھاتا ہوں۔ مشکل والوں کی مشکل حل کرتا ہوں۔ میں بہت رحم کرتا ہوں۔ بیکسوں کی امداد کرتا ہوں لیکن ایک شخص جو کہ مشکل میں مبتلا ہے اس کے پاس سے گزرتا ہے اور اس کی ندا کی پروانہ نہیں کرتا نہ اپنی مشکل کا بیان کر کے طلب امداد کرتا ہے تو سوائے اس کے کہ وہ تپاہ ہو اور کیا ہو گا۔ یہی حال خدا تعالیٰ کا ہے کہ وہ توہر وقت انسان کو آرام دینے کے لئے تیار ہے۔ بشر طیکہ کوئی اس سے درخواست کرے۔ قبولیت دعا کے لئے ضروری ہے کہ نافرمانی سے باز رہے اور دعا بڑے ذور سے کرے کیونکہ پتھر پر پتھر زور سے پڑتا ہے تب آگ پیدا ہوتی ہے۔ إِلَيْ رَبِّكَ يَوْمَيْنِدِ الْمُسْتَقْرَءُ اس آیت کو قیامت پر چسپا کرنا غلطی ہے کیونکہ اس دن تو خدا کی طرف رجوع کرنا کسی کام نہ آوے گا بلکہ یہ اس زمانہ کی حالت ہے کہ طاعون کے بارے میں خواہ کوئی حیلہ حوالہ کریں ہرگز کام نہ آوے گا۔ آخر مستقر خدا تعالیٰ ہی ہو گا۔ لوگ جب اس کو مانیں گے۔ تب وہ اس سے رہائی دے گا۔ این الیف بھی اسی پر چسپا ہے۔ کیونکہ وہ دوسرے آفات میں کوئی نہ کوئی مفر ہوتا ہے مگر طاعون میں کوئی مفر نہیں۔ صرف خدا تعالیٰ کی پناہ ہی کام آوے گی۔ خدا تعالیٰ کی طرف ظلم کبھی منسوب نہیں ہو سکتا جو صادق ہو گا۔ وہ ضرور اپنے صدق سے نفع پاوے گا۔ یہ وہی دن ہیں جن کی نسبت کہا گیا ہے۔ هذَا يَوْمُ يَنْفَعُ الْصَّدِيقِينَ صَدْقَهُمْ۔“

(ملفوظات جلد 7 صفحہ 70-71)

سامعین! اسی سلسلے میں ایک اور موقع پر فرمایا۔

”دعا کی مثال ایک چشمہ شیریں کی طرح ہے جس پر مومن بیٹھا ہوا ہے۔ وہ جب چاہے اس چشمہ سے اپنے آپ کو سیراب کر سکتا ہے۔ جس طرح ایک مجھلی بغیر پانی کے زندہ نہیں رہ سکتی اسی طرح مومن کا پانی دعا ہے کہ جس کے بغیر وہ زندہ نہیں رہ سکتا۔ اس دعا کا طیکہ محل نماز ہے جس میں وہ راحت اور سرور مومن کو ملتا ہے کہ جس کے مقابل ایک عیاش کا کامل درجہ کا سرور جو اُسے کسی بد معاشری میں میسر آ سکتا ہے، یعنی ہے۔ بڑی بات جو دعائیں حاصل ہوتی ہے وہ قرب الہی ہے۔ دعا کے ذریعہ ہی انسان خدا تعالیٰ کے نزدیک ہو جاتا اور اُسے اپنی طرف کھینچتا ہے۔ جب مومن کی دعائیں پورا اخلاص اور انقطعان پیدا ہو جاتا ہے۔ تو خدا تعالیٰ کو بھی اس پر رحم آ جاتا ہے اور خدا تعالیٰ اس کا متولی ہو جاتا ہے۔ اگر انسان اپنی زندگی پر غور کرے تو الہی توہی کے بغیر انسانی زندگی قطعاً تباخ ہو جاتی ہے۔ دیکھ لیجئے۔ جب انسان حد بلوغت کو پہنچتا ہے اور اپنے نفع نقصان کو سمجھنے لگتا ہے تو نامردیوں اور ناکامیابیوں اور قسم اقسام کے مصائب کا ایک لمبا سلسلہ شروع ہو جاتا ہے۔ وہ اُن سے بچنے کے لئے طرح طرح کی کوششیں کرتا ہے۔ دولت کے ذریعہ، تعلق حکام کے ذریعہ، قسم اقسام کے حیلہ و فریب کے ذریعہ وہ بچاؤ کے راہ نکالتا ہے۔ لیکن مشکل ہے کہ وہ اس میں کامیاب ہو۔ بعض وقت اس کی تباخ کامیابیوں کا انجام خود کشی ہو جاتی ہے۔ اب اگر ان دنیاداروں کے غموم و ہموم اور تکالیف کا مقابلہ اہل اللہ یا انبیاء کے مصائب کے ساتھ کیا جاوے تو انہیاء علیہم السلام کے مصائب کے مقابل اول الذکر جماعت کے مصائب بالکل یعنی ہیں۔ لیکن یہ مصائب و شدائد اس پاک گروہ کو رنجیدہ یا محروم نہیں کر سکتے۔ اُن کی خوشحالی اور سرور میں فرق نہیں آتا کیونکہ وہ اپنی دعاؤں کے ذریعہ خدا تعالیٰ کی توہی میں پھر رہے ہیں۔ دیکھو! اگر ایک شخص کا ایک حاکم سے تعلق ہو اور مثلاً اس حاکم نے

اسے اطمینان بھی دیا ہو کہ وہ اپنے مصائب کے وقت اس سے استعانت کر سکتا ہے۔ تو ایسا شخص کسی ایسی تکلیف کے وقت جس کی گرد کشائی اس حاکم کے ہاتھ میں ہے۔ عام لوگوں کے مقابل کم درجہ رنجیدہ اور غمناک ہوتا ہے تو پھر وہ مومن جس کا اس قسم کا بلکہ اسے بھی زیادہ تعقیل الحاکمین سے ہو وہ کب مصائب و شدائد کے وقت گھبر اوے گا۔ انبیاء علیہم السلام پر جو مصیبیں آتی ہیں اگر ان کا عُشر عشیر بھی ان کے غیر پر وارد ہو تو اس میں زندگی کی طاقت باقی نہ رہے۔ یہ لوگ جب دنیا میں بغرض اصلاح آتے ہیں تو ان کی کل دنیا دشمن ہو جاتی ہے۔ لاکھوں آدمی اُن کے خون کے پیاسے ہوتے ہیں۔ لیکن یہ خطرناک دشمن بھی ان کے اطمینان میں خلل انداز نہیں ہو سکتا۔ اگر ایک شخص کا ایک دشمن بھی ہو تو وہ کسی لمحہ بھی اس کے شر سے امن میں نہیں رہتا چہ جائیکہ ملک کا ملک اُن کا دشمن ہو اور پھر یہ لوگ با من زندگی بسر کریں۔ ان تمام تلخ کامیوں کو ٹھنڈے دل سے برداشت کر لیں۔ یہ برداشت ہی مُعجزہ و کرامت ہے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی استقامت اُن کے لاکھوں مجزوں سے بڑھ کر ایک مُعجزہ ہے۔ کل قوم کا ایک طرف ہونا۔ دولت، سلطنت، دنیوی و جاہت، حینہ جیلہ بیویاں وغیرہ سب کچھ کے لائق قوم کا اس شرط پر دینا کہ وہ اعلاء کلمۃ اللہ لا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ سے رُک جاویں۔ لیکن ان سب کے مقابل جناب رسالت مکہ فرمانا کہ میں اگر اپنے نفس سے کرتا تو یہ سب با تین قبول کرتا۔ میں تو حکم خدا کے تحت یہ سب کچھ کر رہا ہوں اور پھر دوسری طرف سب تکالیف کی برداشت کرنا یہ ایک فوق الطافت مُعجزہ ہے۔ یہ سب طاقت اور برداشت اُس دعا کے ذریعہ حاصل ہوتی ہے جو مومن کو خدا تعالیٰ نے عطا کی ہے۔ ان لوگوں کی دردناک، دعا بعض وقت قاتلوں کے سفاکانہ حملہ کو توڑ دیتی ہے۔ حضرت عمرؓ کا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قتل کے لئے جانا آپ لوگوں نے بنا ہو گا۔ ابو جہل نے ایک قسم کا اشتہار قوم میں دے رکھا تھا کہ جو جناب رسالت مکہ کو قتل کرے گا وہ بہت کچھ انعام و کرام کا مستحق ہو گا۔ حضرت عمرؓ نے مشرف بالسلام ہونے سے پہلے ابو جہل سے معاہدہ کیا اور قتل حضرت کے لئے آمادہ ہو گیا۔ اس کو کسی عمدہ وقت کی تلاش تھی۔ دریافت پر اسے معلوم ہوا کہ حضرت نصف شب کے وقت خانہ کعبہ میں بغرض نماز آتے ہیں۔ یہ وقت عمدہ سمجھ کر حضرت عمرؓ شام خانہ کعبہ میں جا چھپے۔ آدمی رات کے وقت جنگل میں سے لا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ کی آواز آنا شروع ہوئی۔ حضرت عمرؓ نے ارادہ کیا کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سجدہ میں گریں تو اس وقت قتل کروں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے درد کے ساتھ مناجات شروع کی اور سجدہ میں اس طرح حمدِ الہی کا ذکر کیا کہ حضرت عمرؓ کا دل پُسیج گیا۔ اس کی ساری جرأت جاتی رہی اور اس کا قاتلانہ ہاتھ سست ہو گیا۔ نماز ختم کر کے جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم گھر کو چلے تو ان کے پیچھے حضرت عمرؓ ہو گئے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے آہت پا کر دریافت کیا اور معلوم ہونے پر فرمایا کہ اے عمر! کیا تو میرا ایچھا چھوڑے گا۔ حضرت عمر بد دعا کے ڈر سے بول اٹھے کہ حضرت! میں نے آپ کے قتل کا ارادہ چھوڑ دیا۔ میرے حق میں بد دعا نہ کیجئے گا۔ چنانچہ حضرت عمر فرمایا کرتے تھے کہ وہ پہلی رات تھی جب مجھ میں اسلام کی محبت پیدا ہوئی۔

(ملفوظات جلد 7 صفحہ 59-61)

## نماز کے بعد دعا

فرمایا:

”میں دیکھتا ہوں کہ آج کل لوگ جس طرح نماز پڑھتے ہیں وہ محض نکلریں مارنا ہے۔ اُن کی نماز میں اس قدر بھی رقت اور لذت نہیں ہوتی جس قدر نماز کے بعد ہاتھ انھا کر دعا میں ظاہر کرتے ہیں۔ کاش! یہ لوگ اپنی دعائیں نماز میں ہی کرتے۔ شاید اُن کی نمازوں میں حضور اور لذت پیدا ہو جاتی۔ اس لئے میں حکماً آپ کو کہتا ہوں کہ سر دست آپ بالکل نماز کے بعد دعا نہ کریں اور وہ لذت اور حضور جو دعا کے لئے رکھا ہے۔ دعاوں کو نماز میں کرنے سے پیدا کریں۔ میر امطلب یہ نہیں کہ نماز کے بعد دعا کرنی منع ہے۔ لیکن میں چاہتا ہوں کہ جب تک نماز میں کافی لذت اور حضور پیدا نہ ہو نماز کے بعد دعا کرنے میں نماز کی لذت کو مت گتو ا۔ ہاں! جب یہ حضور پیدا ہو جاوے تو کوئی حرج نہیں۔ سو بہتر ہے نماز میں دعائیں اپنی زبان میں مانگو جو طبعی جوش کسی کی مادری زبان میں ہوتا ہے وہ ہرگز غیر زبان میں پیدا نہیں ہو سکتا۔ سو نمازوں میں قرآن اور ماثورہ دعاوں کے بعد اپنی ضرورتوں کو برنگِ دعا اپنی زبان میں خدا تعالیٰ کے آگے پیش کروتا کہ آہتہ تم کو حلاوت پیدا ہو جائے۔ سب سے عمدہ دعا یہ ہے کہ خدا تعالیٰ کی رضامندی اور گناہوں سے نجات حاصل ہو کیونکہ گناہوں ہی سے دل سخت ہو جاتا اور انسان دنیا کا کیڑا بن جاتا ہے۔ ہماری دعا یہ ہوئی چاہیے کہ خدا تعالیٰ ہم سے گناہوں کو جو دل کو سخت کر دیتے ہیں ڈور کر دے اور اپنی رضامندی کی راہ دکھلائے۔ دنیا میں مومن کی مثال اُس سوار کی ہے کہ جو جنگل میں جا رہا ہے۔ راہ میں بسب گرمی اور تھکان سفر کے ایک درخت کے نیچے ستانے کے لئے ٹھہر جاتا ہے لیکن ابھی گھوڑے پر سوار ہے اور کھڑا کھڑا گھوڑے پر ہی کچھ آرام لے کر آگے سفر کو جاری رکھتا ہے۔ لیکن جو شخص اس جنگل میں گھر بنالے وہ ضرور درندوں کا شکار ہو گا۔ مومن دنیا کو گھر نہیں بناتا اور جو ایسا نہیں خدا تعالیٰ اس کی پر واد نہیں کرتا نہ خدا تعالیٰ کے نزدیک دنیا کو گھر بنانے والے کی عزت ہے۔ خدا تعالیٰ مومن کی عزت کرتا ہے۔ حدیث میں آیا ہے کہ مومن نوافل کے ساتھ خدا تعالیٰ کا قرب

حاصل کرتا ہے۔ نوافل سے مراد یہ ہے کہ خدمت مقرر کردہ میں زیادتی کی جاوے۔ ہر ایک خیر کے کام میں دنیا کا بندہ ٹھوڑا سا کر کے سست ہو جاتا ہے لیکن مومن زیادتی کرتا ہے۔ نوافل صرف نماز سے ہی مختص نہیں بلکہ ہر ایک حسنات میں زیادتی کرنا نوافل ادا کرنا ہے۔ مومن محض خدا تعالیٰ کی خوشنودی کے لئے اُن نوافل کی فکر میں لگا رہتا ہے۔ اس کے دل میں ایک درد ہوتا ہے جو اسے بے چین کرتا ہے اور وہ دن بے دن نوافل و حسنات میں ترقی کرتا جاتا ہے اور بالمقابل خدا تعالیٰ بھی اُس کے قریب ہوتا جاتا ہے حتیٰ کہ مومن اپنی ذات کو فنا کر کے خدا تعالیٰ کے سایہ تلے آ جاتا ہے۔ اُس کی آنکھ خدا تعالیٰ کی آنکھ۔ اس کے کان خدا تعالیٰ کے کان ہو جاتے ہیں کیونکہ وہ کسی معاملہ میں خدا تعالیٰ کی مخالفت نہیں کرتا۔ ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ اس کی زبان خدا تعالیٰ کی زبان اور اس کا ہاتھ خدا تعالیٰ کا ہاتھ ہو جاتا ہے۔ پھر خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ مجھے کسی بات میں اس قدر تردد نہیں ہوتا۔ جس قدر مومن کی جان نکلنے میں تردد ہوتا ہے۔ یوں تو خدا تعالیٰ کی ذات سب ترددات سے پاک ہے لیکن یہ فقرہ جو فرمایا تو مومن کے اکرام کے لئے فرمایا۔ اب دوسرے لوگ کیڑے مکوڑوں کی طرح مر جاتے ہیں لیکن مومن کا معاملہ دگر گوں ہے۔ مجھے یہ سمجھ آتی ہے کہ جو صلحاء اور انبیاء کی زندگی آئے دن طرح طرح کی بیماریوں میں مبتلا رہتی ہے اور بعض وقت اُن کو خوفناک امراض لاحق ہو جاتے ہیں جیسے کہ ہمارے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی صورت تھی۔ یہ اُس تردد کا اظہار ہے جس کا اور پر ذکر ہوا ہے۔ گویا اللہ تعالیٰ اس سے معاملہ ایسا کرتا ہے اور خوفناک بیماریوں سے اُسے نجات دے کر ظاہر کر دیتا ہے کہ وہ اُسے معمولی انسانوں کی طرح ضائع نہیں کرتا۔ قرآن اور حدیث سے ثابت ہے کہ مومن کی ہر ایک چیز با برکت ہو جاتی ہے جہاں وہ بیٹھتا ہے وہ جگہ دوسرے کے لئے موجب برکت ہوتی ہے۔ اس کا پس خورده اور دل کے لئے شفایہ ہے۔ حدیث میں آیا ہے کہ ایک گنہگار خدا تعالیٰ کے سامنے لا یا جاوے گا۔ خدا تعالیٰ اس سے پوچھے گا کہ تو نے کوئی نیک کام کیا؟ وہ کہے گا کہ نہیں۔ پھر خدا تعالیٰ اُس کو کہے گا فلاں مومن کو تو ملا تھا وہ کہے گا خداوند میں ارادتا تو کبھی نہیں ملا وہ خود ہی ایک دن مجھے راستے میں مل گیا۔ خدا تعالیٰ اُسے بخش دے گا۔ پھر ایک اور موقع پر حدیث میں آیا ہے کہ خدا تعالیٰ فرشتوں سے دریافت کرے گا کہ میرا ذکر کہاں پر ہو رہا ہے؟ وہ کہیں گے کہ ایک حلقہ مومنین کا تھا جہاں دنیا کے ذکر کا نام و نشان بھی نہ تھا البتہ ذکر الہی آٹھوں پھر ہو رہا ہے۔ اُن میں ایک دُنیا پرست شخص تھا۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ میں نے اس دنیادار کو اس ہم نشینی کے باعث بخش دیا۔ **إِنَّهُمْ قَوْمٌ لَا يَشْقَى جَلَّ يُسْهِمُ**۔ بعض حدیثوں میں آیا ہے کہ جہاں ایک مومن امام ہو اس کے مقتدی پیش ازیں کہ وہ سجدہ سے سر اٹھاوے بخش دیئے جاتے ہیں۔

(ملفوظات جلد 7 صفحہ 40-38)

فرمایا:

”دعا کے لئے انسان کو اپنے خیال اور دل کو ٹھوٹنا چاہیئے کہ آیا اس کا میلان دنیا کی طرف ہے یا دین کی طرف یعنی کثرت سے وہ دعائیں دنیا وی آسانی کے لئے ہیں یادیں کی خدمت کے لئے۔ پس اگر معلوم ہو کہ اُنھیں بیٹھتے اور لیٹتے ہوئے اسے دنیا وی انکار ہی لاحق ہیں اور دین مقصود نہیں تو اسے اپنی حالت پر رونا چاہیئے۔ بہت دفعہ دیکھا گیا ہے کہ لوگ کر باندھ کر حصول دینا کے لئے مجابدے اور ریاضتیں کرتے ہیں۔ دعائیں بھی مانگتے ہیں۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ طرح طرح کہ امراض لاحق ہو جاتے ہیں۔ بعض مجنون ہو جاتے ہیں لیکن سب کچھ دین کے لئے ہو تو خدا تعالیٰ ان کو کبھی ضائع نہ کرے۔ قول اور عمل کی مثال دانہ کی ہے۔ اگر کسی کو ایک دانہ دیا جاوے اور وہ اسے لیج کر رکھ چھوڑے اور استعمال نہ کرے۔ تو آخر سے پڑے پڑے گھن لگ جاوے گا۔ ایسے ہی اگر قول ہو اور اس پر عمل نہ ہو تو آہستہ آہستہ وہ قول بھن نہ رہے گا۔ اس لئے اعمال کی طرف سبقت کرنی چاہیئے۔“

(ملفوظات جلد 7 صفحہ 117)

دعا کی ضرورت

فرمایا:

”چیز یہ ہے کہ یہ مقام انسان کی اپنی قوت سے نہیں مل سکتا۔ ہاں اس میں کلام نہیں کہ انسان کا فرض ہے کہ وہ مجاہدات کرے لیکن اس مقام کے حصول کا اصل اور سچا ذریعہ دعا ہے۔ انسان کمزور ہے جب تک دعا سے قوت اور تائید نہیں پاتا۔ اس دشوار گزار منزل کو طے نہیں کر سکتا۔ خود اللہ تعالیٰ نے انسان کی کمزوری اور اس کی ضعف حال کے متعلق ارشاد فرمایا ہے **خُلُقُ الْإِنْسَانُ ضَعِيفًا** یعنی انسان ضعیف اور کمزور بنا یا گیا ہے۔ پھر باوجود اس کی کمزوری کے اپنی ہی طاقت سے ایسے عالی درجہ اور ارفع مقام کے حاصل کرنے کا دعویٰ سرا سر خام خیالی ہے۔ اس کے لئے دعا کی بہت بڑی ضرورت ہے۔ دعا ایک زبردست طاقت ہے جس سے بڑے بڑے مشکل مقام حل ہو جاتے ہیں اور دشوار گزار منزلوں کو انسان بڑی آسانی سے طے کر لیتا ہے کیونکہ وہ دعا فیض اور قوت کے جذب کرنے والی نالی ہے جو اللہ تعالیٰ سے آتا ہے۔ جو

شخص کثرت سے دعاؤں میں لگا رہتا ہے وہ آخر اس فیض کو سمجھنے لیتا ہے۔ بلکہ اول تمام مساعی اور مجاہدات کو کام میں لائے اور اس کے ساتھ دعا سے کام لے۔ اساب سے کام لے۔ اساب سے کام نہ لینا اور نری دعا سے کام لینا۔ یہ آداب الدعا کے ناویقی ہے اور خدا تعالیٰ کو آzmanا ہے اور نرے اساب پر گر رہنا اور دعا کو لا شی محسن سمجھنا۔ یہ دہریت ہے۔ یقیناً سمجھو کر دعا بڑی دولت ہے۔ جو شخص دعا کو نہیں چھوڑتا۔ اسکے دین اور دنیا پر آفت نہ آئے گی۔ وہ ایک ایسے قلعے میں محفوظ ہے۔ جس کے ارد گرد سپاہی ہر وقت حفاظت کرتے ہیں۔ لیکن جو دعاؤں سے لاپرواہ ہے اور وہ اس شخص کی طرح ہے جو خود بے ہتھیار ہے اور اس پر کمزور بھی ہے اور پھر ایسے جنگل میں ہے جو درندوں اور مُوذی جانوروں سے بھرا ہوا ہے۔ وہ سمجھتا ہے کہ اس کی خیر ہرگز نہیں ہے۔ ایک لمحہ میں وہ مُوذی جانوروں کا شکار ہو جائے گا اور اس کی بُڈی بُٹی نظر نہ آئے گی۔ اس لئے یاد رکھو کہ انسان کی بُڈی سعادت اور اس کی حفاظت کا اصل ذریعہ ہی یہی دعا ہے۔ یہی دعا اس کے لئے پناہ ہے۔ اگر وہ ہر وقت اس میں لگا رہے۔

(ملفوظات جلد 7 صفحہ 192-193)

## الصلوٰہ اور دعا میں فرق

فرمایا:

”ایک مرتبہ میں نے خیال کیا کہ صلوٰہ میں اور دعائیں کیا فرق ہے۔ حدیث شریف میں آیا ہے کہ الصلوٰۃ ہی الْدُّعَاءُ۔ الصلوٰۃ مُمْلٰۃُ العبادۃِ یعنی نماز ہی دعا ہے۔ نماز عبادت کا مغز ہے۔ جب انسان کی دعا دنیوی امور کے لئے ہو تو اس کا نام صلوٰۃ نہیں۔ لیکن جب انسان خدا کو ملنا چاہتا ہے اور اس کی رضا کو مدد نظر رکھتا ہے اور ادب انکسار تو واضح اور نہایت محییت کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے حضور میں کھڑا ہو کر اس کی رضا کا طالب ہوتا ہے تب وہ صلوٰۃ میں ہوتا ہے۔ اصل حقیقت دعا کی وہ ہے جس کے ذریعہ سے خدا اور انسان کے درمیان رابطہ تعلق بڑھے یہی دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کرنے کا ذریعہ ہوتی ہے اور انسان کو نامعقول باقتوں سے ہٹاتی ہے۔ اصل بات یہی ہے کہ انسان رضائے الٰہی کو حاصل کرے۔ اس کے بعد رواہ ہے کہ انسان اپنی دنیوی ضروریات کے واسطے بھی دعا کرے۔ یہ اس واسطے روارکھا گیا ہے کہ دنیوی مشکلات بعض دفعہ دینی معاملات میں حارج ہو جاتے ہیں... اور کچھ پتے کے زمانہ میں یہ امور ٹھوکر کا موجب بن جاتے ہیں۔ صلوٰۃ کا لفظ پر سوز مغزے پر دلالت کرتا ہے جیسے آگ سے سوزش پیدا ہوتی ہے۔ ویسی ہی گرازش دعائیں پیدا ہونی چاہیے جب ایسی حالت کو پہنچ جائے جیسے موت کی حالت ہوتی ہے تب اس کا نام صلوٰۃ ہوتا ہے۔“

(ملفوظات جلد 7 صفحہ 367-368)

## سامعین! دعائیں فتح کا ہتھیار ہے

فرمایا:

”ہمارا تو سارا دار و مدار ہی دعا پر ہے۔ دعائی ایک ہتھیار ہے جس سے مومن ہر کام میں فتح پا سکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے مومن کو دعا کرنے کی تاکید فرمائی ہے بلکہ وہ دعا کا منتظر رہتا ہے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہماری دعاؤں کو خاص فضل سے قبول فرماتا ہے۔ دعا سے انسان ہر ایک بلا اور مرض سے نجات ملتا ہے۔ ہم نے ایک دفعہ ایک خبر پڑھا تھا کہ ایک تھانے دار کے ناخن میں پنسل کا ایک ٹکڑا کسی طرح سے چبھ گیا۔ پنسل میں کچھ زہر بھی ہوتا ہے۔ تھوڑی دیر میں اس کے ہاتھ میں ورم ہونا شروع ہو گیا۔ بڑھتے بڑھتے ورم اس قدر بڑھ گیا کہ کہنی تک جا پہنچا اور ایسا معلوم ہوتا تھا کہ گویا سے چند بوجھ ہو گیا ہے۔ فوراً ڈاکٹر کو بلا یا گیا۔ ڈاکٹر نے کہا کہ اس بازو میں زہر اثر کر گیا ہے۔ تم اگر اس کو کٹانے پر راضی ہو تو جان نجات جائے گی ورنہ نہیں۔ وہ تھانے دار کٹانے پر راضی نہ ہوا۔ اس کے بعد تھوڑے ہی عرصہ میں وہ مر گیا۔ ہمارے بھی ایک دفعہ اسی طرح ناخن میں پنسل لگ گئی۔ ہم سیر کرنے گئے تو دیکھا کہ ہمارے ہاتھ میں بھی ورم ہونا شروع ہو گیا ہے۔ تو ہمیں وہ قصہ یاد آگیا۔ میں نے اسی جگہ دعا شروع کر دی۔ گھر پہنچنے تک برابر دعائی کرتا رہا تو دیکھتا ہیوں کہ جب میں گھر پہنچا تو ورم کا نام و نشان تک بھی نہ تھا۔ پھر میں نے لوگوں کو دکھایا اور سارا قصہ بیان کیا۔

اسی طرح ایک دفعہ میرے دانت کو سخت درد شروع ہو گیا۔ میں نے لوگوں سے ذکر کیا تو اکثر نے صلاح دی کہ اس کو ٹکلوادینا بہتر ہے۔ میں نے ٹکلوان اپنندنہ کیا اور دعا کی طرف رجوع کیا تو الہام ہوا اُذًا مَرِضُتْ فَهُوَ يَشْفَعِي۔ اس کے ساتھ ہی مرض کو بالکل آرام ہو گیا۔ اس بات کو قربیاً پندرہ سال ہو گئے ہیں۔ اسی سے ثابت ہوتا ہے کہ انسان کے ایمان کے موافق اساب سے نفرت ہو جاتی ہے۔ جس قدر ایمان کا مل ہوتا ہے اسی قدر اساب سے نفرت ہوتی جاتی ہے۔ حقیقت میں دیکھا گیا ہے کہ دنیا بڑے دھوکے میں پڑی ہوئی ہے۔ جن باقتوں کو اپنی ترقی کے ذرائع سمجھی بیٹھی ہے۔ اصل میں وہی ذلت کا موجب ہوتی ہے۔ دنیاوی عزت بڑھانے اور عروج و مالداری حاصل کرنے کے لئے طرح طرح کے فریب و دجل اور دھوکے استعمال کرتے ہیں اور طرح طرح کی بے ایمانیوں سے اپنے مقاصد حاصل کرنے کی کوشش کرتے رہتے ہیں۔ انہیں مکاریوں کو اپنی مرادوں کا ذریعہ سمجھے ہوئے ہیں یہاں تک کہ بڑے فخر سے اپنی کامیابیوں کا دوستوں میں ذکر کرتے ہیں۔ لیکن اگر نظر انصاف اور معرفت سے

دیکھا جاوے تو ان کے یہ طریق کوئی راحت نہیں بخشتے۔ جب پوچھو تو شاکی اور نالاں ہی نظر آتے ہیں اور کبھی راحت اور طمانتی اُن کے حال سے ظاہر نہیں ہوتی۔ طمانتی کی روایت بجز فضل خدا کے نہیں ہوتی۔ جب تک انسان اللہ تعالیٰ پر کامل ایمان نہیں رکھتا اور اس کے وعدوں پر سچائیں نہیں کرتا اور ہر ایک مقصود کا دینے والا اسی کو نہیں سمجھتا اور کامل اصلاح اور تقویٰ اختیار نہیں کر لیتا تو اس وقت تک وہ حقیقی راحت دستیاب نہیں ہو سکتے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وَهُوَ يَتَوَلَّ الصُّلَحِينَ (الاعراف: 197)

یعنی جو صلاحیت اختیار کرتے ہیں خدا تعالیٰ اُن کا متولی ہو جاتا ہے۔ انسان جو متولی رکھتا ہے اس کے بہت بوجھ کم ہو جاتے ہیں۔ بہت ساری ذمہ داریاں گھٹ جاتی ہیں۔ بچپن میں ماں بچے کی متولی ہوتی ہے۔ تو بچے کو کوئی فکر اپنی ضروریات کا نہیں رہتا۔ وہ خود ہی اس کی ضروریات کی کفیل ہوتی ہے۔ اس کے کپڑوں اور کھانے پینے کے خود ہی فکر میں لگی رہتی ہے۔ اس کی صحت قائم رکھنے کا دھیان اسی کو رہتا ہے۔ اس کو نہلاتی اور دھلاتی ہے اور کھلاتی اور پلاتی ہے۔ یہاں تک کہ بعض وقت اس کو مار کر کھانا کھلاتی ہے اور پانی پلاتی ہے اور کپڑا پہناتی ہے۔ بچے اپنی ضرورتوں کو نہیں سمجھتا بلکہ ماں ہی اس کی ضرورتوں کو خوب سمجھتی اور ان کو پورا کرنے کے خیال میں لگی رہتی ہے۔ اسی طرح جب ماں کی تولیت سے نکل آئے تو انسان کو بالطبع ایک متولی کی ضرورت پڑتی ہے۔ طرح طرح سے اپنے متولی اور لوگوں کو بنتا ہے جو خود کمزور ہوتے ہیں اور اپنی ضروریات میں غلطان ایسے ہوتے ہیں کہ دوسرے کی خبر نہیں لے سکتے۔ لیکن جو لوگ ان سب سے منقطع ہو کر اس قسم کا تقویٰ اور اصلاح اختیار کرتے ہیں اُن کا وہ خود متولی ہو جاتا ہے اور ان کی ضروریات اور حاجات کا خود ہی کفیل ہو جاتا ہے۔ انہیں کسی بناوٹ کی ضرورت ہی نہیں رہتی۔ وہ اس کی ضروریات کو ایسے طور پر سمجھتا ہے کہ یہ خود بھی اس طرح نہیں سمجھ سکتا اور اس پر اس طرح فضل کرتا ہے کہ انسان خود حیران رہتا ہے۔ گرنہ ستانی بہ ستم مے رسداں نوبت ہوتی ہے۔ لیکن انسان بہت سے زمانے پالیتا ہے۔ جب اس پر ایسا زمانہ آتا ہے کہ خدا اس کا متولی ہو جائے یعنی اس کو خدا تعالیٰ کی تولیت حاصل کرنے سے پہلے کئی متولیوں کی تولیت سے گزرنا پڑتا ہے جیسا کہ خدا تعالیٰ فرماتا ہے قُلْ أَعُوذُ بِرَبِّ النَّاسِ مَلِكِ النَّاسِ إِلَهِ النَّاسِ مِنْ شَيْءٍ لَا يُسْوَىٰ إِنَّ الْحَنَّاسَ الَّذِي يُؤْسِىٰ فِي صُدُورِ النَّاسِ مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ۔ پہلے حاجت ماں باپ کی پڑتی ہے۔ پھر جب بڑا ہوتا ہے تو بادشاہوں اور حاکموں کی حاجت پڑتی ہے پھر جب اس کے آگے قدم بڑھاتا ہے اور اپنی غلطی کا اعتراف کرتا ہے اور یہ سمجھتا ہے کہ جن کو میں نے متولی سمجھا ہوا تھا وہ خود ایسے کمزور تھے کہ ان کو متولی سمجھنا میری غلطی تھی کیونکہ انہیں متولی بنانے میں نہ تو میری ضروریات ہی حاصل ہو سکتی تھیں اور نہ ہی وہ میرے لئے کافی ہو سکتے تھے۔ پھر وہ خدا تعالیٰ کی طرف رجوع کرتا ہے اور ثابت قدمی دکھانے سے خدا تعالیٰ کو اپنا متولی پاتا ہے۔ اس وقت اس کو بڑی راحت حاصل ہوتی ہے اور ایک عجیب طمانتی کی زندگی میں داخل ہو جاتا ہے۔ خصوصاً جب خدا کسی کو خود کہے کہ میں تیرا متولی ہوا تو اس وقت جو راحت اور طمانتی اس کو حاصل ہوتی ہے وہ ایسی حالت پیدا کرتی ہے کہ جس کو بیان نہیں کیا جاسکتا۔ یہ حالت تمام تلمیزوں سے پاک ہوتی ہے۔ دنیاوی حالتوں میں انسان تلخی سے خالی نہیں ہو سکتا۔ دشتِ دنیا کا نٹوں اور تلمیزوں سے بھری ہوئی ہے۔

دشتِ	ُدُنْيَا	جز	رد	جز	دام	نیست
جز	بُخْلُوت	گاہ	حق	آرام	نیست“	

(ملفوظات جلد 7 صفحہ 54-55)

اللہ تعالیٰ ہمیں ان نصائح پر عمل کرنے کی توفیق دیتا رہے۔ آمین

(کپوزڈ: منہاس محمود۔ جرمنی)

